

قانون عبادات

(۱۲)

روزہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا، كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ، لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ. أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ، فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ، وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ، فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ، وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ، إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ. شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ، هُدًى لِلنَّاسِ، وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ، فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ. يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ، وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ، وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَذَاكُمْ، وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ. (البقرہ ۲: ۱۸۳-۱۸۵)

”ایمان والو، تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم اللہ سے ڈرنے والے بن جاؤ۔ یہ گنتی کے چند دن ہیں۔ اس پر بھی جو تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کر لے۔ اور جو اس کی طاقت رکھتے ہوں (کہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں) تو ان پر روزے کا بدلہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ پھر جو شوق سے کوئی نیکی

کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے، اور روزہ رکھ لو تو یہ تمہارے لیے اور بھی اچھا ہے، اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ رمضان کا مہینا ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، لوگوں کے لیے رہنما بنا کر اور نہایت واضح دلیلوں کی صورت میں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے سراسر ہدایت بھی ہیں اور حق و باطل کا فیصلہ بھی۔ سو تم میں سے جو شخص اس مہینے میں موجود ہو، اسے چاہیے کہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کر لے۔ (یہ رخصت اس لیے دی گئی ہے کہ) اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ سختی کرے۔ (اور فدیے کی اجازت اس لیے ختم کر دی گئی ہے کہ) تم روزوں کی تعداد پوری کرو، (اور جو خیر و برکت اس میں چھپی ہوئی ہے، اس سے محروم نہ ہو)۔ اور (اس مقصد کے لیے) رمضان کا مہینا اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ قرآن کے صورت میں (اللہ نے جو ہدایت تمہیں بخشی ہے، اُس پر اس کی بڑائی کرو اور اس لیے کہ تم اُس کے شکر گزار بنو۔“

نماز کے بعد دوسری اہم عبادت روزہ ہے۔ عربی زبان میں اس کے لیے 'صوم' کا لفظ آتا ہے، جس کے معنی کسی چیز سے رک جانے اور اس کو ترک کر دینے کے ہیں۔ گھوڑوں کو تربیت دینے کے لیے جب بھوکا اور پیاسا رکھا جاتا تھا تو اہل عرب اسے ان کے صوم سے تعبیر کرتے تھے۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ خاص حدود و قیود کے ساتھ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو زبان میں اسی کو روزہ کہتے ہیں۔ انسان چونکہ اس دنیا میں اپنا ایک عملی وجود بھی رکھتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا جذبہ عبادت جب اس کے اس عملی وجود سے متعلق ہوتا ہے تو پرستش کے ساتھ اطاعت کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ روزہ اسی اطاعت کا علامتی اظہار ہے۔ اس میں بندہ اپنے پروردگار کے حکم پر اور اس کی رضا اور خوشنودی کی طلب میں بعض مباحات کو اپنے لیے حرام قرار دے کر مجسم اطاعت بن جاتا اور اس طرح گویا زبان حال سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اگر قانون فطرت کی رو سے جائز کسی شے کو بھی اس کے لیے ممنوع ٹھہرا دیتا ہے تو بندے کی حیثیت سے زیبا یہی ہے کہ وہ بے چون و چرا اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کی بزرگی و کبریائی کے احساس و اعتراف کی یہ حالت، اگر غور کیجیے تو اس کی شکر گزاری کا حقیقی اظہار بھی ہے۔ چنانچہ قرآن نے اسی بنا پر روزے کو خدا کی تکبیر اور شکر گزاری قرار دیا اور فرمایا ہے کہ اس مقصد کے لیے رمضان کا مہینا اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ قرآن کی صورت میں اللہ نے جو ہدایت اس مہینے میں تمہیں عطا فرمائی ہے اور جس میں عقل کی رہنمائی اور حق و باطل کے مابین فرق و امتیاز کے لیے واضح اور قطعی حجتیں ہیں، اس پر اللہ کی بڑائی کرو اور اس کے شکر گزار بنو، 'لتكبروا الله على ما هداكم، ولعلكم تشكرون'۔ روزے کی یہی حقیقت ہے جس کے پیش نظر کہا گیا ہے کہ روزہ اللہ کے لیے ہے اور وہی اس کی جزا دے گا۔ یعنی بندے نے جب بغیر کسی سبب کے محض اللہ کے حکم کی تعمیل

میں بعض جائز چیزیں بھی اپنے لیے ممنوع قرار دے لی ہیں تو اب وہ ناپ تول کر اور کسی حساب سے نہیں، بلکہ خاص اپنے کرم اور اپنی عنایت سے اس کا اجر دے گا اور اس طرح بے حساب دے گا کہ وہ نہال ہو جائے گا۔ ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن آدم جو نیکی بھی کرتا ہے، اس کی جزا اسے دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دی جاتی ہے، لیکن روزہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ 'فانہ لی وانا اجزی بہ'، یہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا، اس لیے کہ بندہ اپنے کھانے پینے اور اپنی جنسی خواہشات کو اس میں صرف میرے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ روزہ رکھنے والوں کے لیے خوشی کے دو وقت ہیں: ایک جب وہ روزہ کھولتے ہیں، دوسرا جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کریں گے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس عبادت کی اہمیت کس قدر غیر معمولی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لخلوف فم الصائم اطيب عند الله تعالى
 ”روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوش بو
 من ریح المسک. (بخاری، رقم ۱۸۹۴)
 سے زیادہ پسندیدہ ہے۔“
 نیز فرمایا ہے:

ان فی الجنة باباً، يقال له الريان، يدخل
 منه الصائمون يوم القيامة، لا يدخل معهم
 احد غیر ہم، يقال: این الصائمون؟
 فیدخلون منه، فاذا دخل آخرهم اغلق،
 فلم یدخل منه احد. (مسلم، رقم ۱۱۵۲)
 ”جنت میں ایک دروازہ ہے جسے ریّان کہا جاتا ہے۔
 روزہ دار قیامت کے دن اس سے جنت میں داخل
 ہوں گے، ان کے ساتھ کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے گا۔
 پوچھا جائے گا: روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر وہ اس سے داخل
 ہوں گے اور جب ان میں سے آخری شخص بھی داخل
 ہو جائے گا تو اسے بند کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد کوئی اس
 دروازے سے داخل نہ ہوگا۔“

اس عبادت کا منتہا کمال شریعت میں یہ بتایا گیا ہے کہ آدمی روزے کے حالت میں اپنے اوپر کچھ مزید پابندیاں عائد کر کے اور دوسروں سے الگ تھلگ ہو کر چند دنوں کے لیے مسجد میں بیٹھ جائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرے۔ اصطلاح میں اسے اعتکاف کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ رمضان کے روزوں کی طرح لازم تو نہیں کیا گیا، لیکن تزکیہ نفس کے نقطہ نظر سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ روزہ و نماز اور تلاوت قرآن کے امتزاج سے آمیختن بہ بادہ صافی گلاب را کی جو خاص کیفیت اس سے پیدا ہوتی اور نفس پر تجرد و انقطاع اور تبتل الی اللہ کی جو حالت طاری ہو جاتی ہے، اس سے روزے کا اصلی

۳۴۴ بخاری، رقم ۱۷۹۵۔ مسلم، رقم ۱۱۵۱۔

۳۴۵ بخاری، رقم ۱۸۰۵۔ مسلم، رقم ۱۱۵۱۔

مقصود درجہ کمال پر حاصل ہوتا ہے۔ رمضان کے آخری دس دنوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی بنا پر ہر سال اپنی مسجد میں معتکف ہو جاتے اور اپنے روز و شب دعا و مناجات، رکوع و سجود اور تلاوت قرآن کے لیے وقف کر دیتے تھے۔ سیدہ عائشہ کا بیان ہے:

”رمضان کا آخری عشرہ آتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر العشر، شد مئزرہ، واحیا لیلہ، وایقظ عبادت کے لیے کس لیتے، خود بھی شب بیداری فرماتے اہلہ۔ (بخاری، رقم ۲۰۲۴) اور اپنے گھر والوں کو بھی اس کے لیے اٹھاتے تھے۔“

روزے کی یہ عبادت مسلمانوں پر رمضان کے مہینے میں لازم کی گئی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ نفس کے میلانات کبھی ختم نہیں ہوتے اور اس دنیا کی ترغیبات بھی ہمیشہ باقی رہتی ہیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مہینے میں اپنا خاص کرم یہ فرماتے ہیں کہ شیاطین جن کے لیے لوگوں کو بہکانے کے تمام راستے بالکل بند کر دیتے ہیں۔ ارشاد فرمایا ہے: رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس مہینے میں ہر شخص کے لیے موقع ہوتا ہے کہ وہ اگر چاہے تو بغیر کسی خارجی رکاوٹ کے اپنے لیے خیر و فلاح کے حصول کی جدوجہد کر سکے۔ اس کا صلہ روایتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ آدمی کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ توبہ و اصلاح کے بارے میں یہ قرآن کا عام قانون ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص رمضان کے حوالے سے لوگوں کو اس کی بشارت اس طرح دی ہے:

”جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کے من صام رمضان ایماناً و احتساباً، غفرلہ ماتقدم من ذنبہ۔ (بخاری، رقم ۱۹۰۱) روزے رکھے، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

”جس نے ایمان و احتساب کے ساتھ رمضان کی راتوں من قام رمضان ایماناً و احتساباً، غفرلہ ماتقدم من ذنبہ۔ (بخاری، رقم ۳۷) میں قیام کیا، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

یہی بات لیلۃ القدر میں قیام کے متعلق بھی کہی گئی ہے۔ یہ نزول قرآن کی رات ہے اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ فرشتے اور روح الامین اس میں ہر معاملے کی اجازت لے کر اترتے ہیں، لہذا امور مہمہ کی تنفیذ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے جو

۳۴۶ بخاری، رقم ۱۹۲۲۔ مسلم، رقم ۱۱۷۲۔

۳۴۷ بخاری، رقم ۱۸۰۰۔

۳۴۸ بخاری، رقم ۱۸۰۲۔ مسلم، رقم ۷۶۰۔

رحمتیں، برکتیں اور قرب الہی کے جو مواقع اس ایک رات میں حاصل ہوتے ہیں، وہ ہزاروں راتوں میں بھی نہیں ہو سکتے۔ اسی بنا پر ارشاد ہوا ہے کہ ”لیلة القدر خیر من الف شهر“^{۳۳۹} (تقدیر کے فیصلوں کی یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسے رمضان کے آخری عشرے، بالخصوص اس کی طاق راتوں میں تلاش کرنا چاہیے۔^{۳۵۰}

عبادت کے لیے ایام و اوقات کی یہ تعیین کیا اہمیت رکھتی ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر ”تدبر قرآن“ میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

”جس طرح اس مادی دنیا میں فصلوں، موسموں اور اوقات کا اعتبار ہے، اسی طرح روحانی عالم میں بھی ان کا اعتبار ہے۔ جس طرح خاص خاص چیزوں کے بونے کے لیے خاص خاص موسم اور مہینے ہیں، ان میں آپ بوتے ہیں تو وہ پروان چڑھتی اور مٹھرتی ہیں، اور اگر ان موسموں اور مہینوں کو آپ نظر انداز کر دیتے ہیں تو دوسرے مہینوں کی طویل سے طویل مدت بھی ان کا بدل نہیں ہو سکتی، اسی طرح روحانی عالم میں بھی خاص خاص کاموں کے لیے خاص موسم اور خاص اوقات و ایام مقرر ہیں۔ اگر ان اوقات و ایام میں وہ کام کیے جاتے ہیں تو وہ مطلوبہ نتائج پیدا کرتے ہیں، اور اگر وہ ایام و اوقات نظر انداز ہو جاتے ہیں تو دوسرے ایام و اوقات کی زیادہ سے زیادہ مقدار بھی ان کی صحیح قائم مقامی نہیں کر سکتی۔ اس کو مثال سے یوں سمجھیے کہ جمعہ کے لیے ایک خاص دن ہے، روزوں کے لیے ایک خاص مہینا ہے، حج کے لیے خاص مہینا اور خاص ایام ہیں، وقوف عرفہ کے لیے معینہ دن ہے۔ ان ایام و اوقات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی عبادتیں مقرر کر رکھی ہیں جن کے اجر و ثواب کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے، لیکن ان کی ساری برکتیں اپنی اصلی صورت میں تبھی ظاہر ہوتی ہیں، جب یہ ٹھیک ٹھیک ان ایام و اوقات کی پابندی کے ساتھ عمل میں لائی جائیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ برکت فوت ہو جاتی ہے جو ان کے اندر مضمر ہوتی ہے۔“ (۳۶۸/۹)

روزے کی تاریخ

نماز کی طرح روزے کی تاریخ بھی نہایت قدیم ہے۔ سورہ بقرہ کی جو آیتیں اوپر نقل ہوئی ہیں، ان میں قرآن نے بتایا ہے کہ روزہ مسلمانوں پر اسی طرح فرض کیا گیا، جس طرح وہ پہلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تربیت نفس کی ایک اہم عبادت کے طور پر اس کا تصور تمام مذاہب میں رہا ہے۔

نینوا اور بابل کی تہذیب نہایت قدیم ہے۔ ایک زمانے میں یہاں آشوری قوم آباد تھی۔ سیدنا یونس علیہ السلام کی بعثت انھی کی طرف ہوئی۔ ان لوگوں نے پہلے انھیں جھٹلادیا، لیکن بعد میں ایمان لے آئے۔ اس موقع پر ان کی توبہ اور رجوع کا ذکر

۳۳۹ القدر ۹:۱-۵۔

۳۵۰ بخاری، رقم ۱۹۱۳، ۱۹۱۴، ۱۹۱۷، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸۔

بائبل کے ”صحیفہ یونس“ میں اس طرح ہوا ہے:

”تب نینوا کے باشندوں نے خدا پر ایمان لا کر روزہ کی منادی کی اور ادنیٰ و اعلیٰ، سب نے ٹاٹ اوڑھا۔ اور یہ خبر نینوا کے بادشاہ کو پہنچی اور وہ اپنے تخت پر سے اٹھا اور بادشاہی لباس کو اتار ڈالا اور ٹاٹ اوڑھ کر راکھ پر بیٹھ گیا۔ اور بادشاہ اور اس کے ارکان دولت کے فرمان سے نینوا میں یہ اعلان کیا گیا اور اس بات کی منادی ہوئی کہ کوئی انسان یا حیوان، گلہ یا رمہ کچھ نہ چکھے اور نہ کھائے پیے، لیکن انسان اور حیوان ٹاٹ سے ملبس ہوں اور خدا کے حضور گریہ و زاری کریں، بلکہ ہر شخص اپنی بری روش اور اپنے ہاتھ کے ظلم سے باز آئے۔“ (۸-۵:۳)

عرب جاہلی میں بھی روزہ کوئی اجنبی چیز نہ تھی۔ ان کی زبان میں لفظ ”صوم“ کا وجود بجائے خود اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ وہ اس عبادت سے پوری طرح واقف تھے۔ ”المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام“ میں جو ادلی لکھتے ہیں:

”روایتوں میں ہے کہ قریش یوم عاشور کا روزہ رکھتے تھے۔ اس روزہ جمع ہوتے، عید مناتے اور بیت اللہ کو غلاف پہناتے تھے۔ اس کی توجیہ مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ قریش جاہلیت میں کوئی ایسا گناہ نہ کر بیٹھے تھے جس کا بوجھ انھوں نے بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ چنانچہ اس کا کفارہ ادا کرنا چاہا تو یوم عاشور کا روزہ اپنے لیے مقرر کر لیا۔ وہ اس دن یہ روزہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے رکھتے تھے کہ اس نے انھیں اس گناہ کے برے نتائج سے محفوظ رکھا۔ روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوت سے پہلے یہ روزہ رکھتے تھے... اس روزے کی ایک توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قریش کو ایک زمانے میں قحط نے آ لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے نجات عطا فرمائی تو انھوں نے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے یہ روزہ رکھنا شروع کر دیا۔“ (۳۳۹/۶-۳۴۰)

یہود و نصاریٰ کی شریعت میں بھی روزہ ایک عام عبادت ہے۔ بائبل میں ان کے روزوں کا ذکر جگہ جگہ ہوا ہے اور اس کے لیے خاص اس لفظ کے علاوہ بعض مقامات پر ”جان کو دکھ دینے“ اور ”نفس کشی کرنے“ کی تعبیرات بھی اختیار کی گئی ہیں۔ خروج میں ہے:

”اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ تو یہ باتیں لکھ، کیونکہ انھی باتوں کے مفہوم کے مطابق میں تجھ سے اور اسرائیل سے عہد باندھتا ہوں۔ سو وہ چالیس دن اور چالیس رات وہیں خداوند کے پاس رہا اور نہ روٹی کھائی اور نہ پانی پیا اور اس نے ان لوگوں پر اس عہد کی باتوں کو، یعنی دس احکام کو لکھا۔“ (۲۸-۲۷:۳۴)

احبار میں ہے:

”اور یہ تمھارے لیے ایک دائمی قانون ہو کہ ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو تم اپنی اپنی جان کو دکھ دینا اور اس دن کوئی خواہ وہ دیسی ہو یا پردیسی جو تمھارے بیچ بود و باش رکھتا ہو، کسی طرح کا کام نہ کرے۔ کیونکہ اس روز تمھارے واسطے تم کو پاک

کرنے کے لیے کفارہ دیا جائے گا۔ سو تم اپنے سب گناہوں سے خداوند کے حضور پاک ٹھہرو گے۔ یہ تمہارے لیے خاص آرام کا سبت ہوگا۔ تم اس دن اپنی اپنی جان کو دکھ دینا۔“ (۱۶:۲۹-۳۱)

قضاۃ میں ہے:

”تب سب بنی اسرائیل اور سب لوگ اٹھے اور بیت ایل میں آئے اور وہاں خداوند کے حضور بیٹھے روتے رہے اور اس دن شام تک روزہ رکھا اور سختی قربانیاں اور سلامتی کی قربانیاں خداوند کے آگے گزرائیں۔“ (۲۶:۲۰)

سموئیل دوم میں ہے:

”اور وہ ساؤل اور اس کے بیٹے یوئین اور خداوند کے لوگوں اور اسرائیل کے گھرانے کے لیے نوحہ کرنے اور رونے لگے اور شام تک روزہ رکھا، اس لیے کہ وہ تلوار سے مارے گئے تھے۔“ (۱۲:۱)

”اس لیے داؤد نے اس لڑکے کی خاطر خدا سے منت کی اور داؤد نے روزہ رکھا اور اندر جا کر ساری رات زمین پر پڑا رہا۔“ (۱۶:۱۲)

نحمیاہ میں ہے:

”پھر اسی مہینے کی چوبیسویں تاریخ کو بنی اسرائیل روزہ رکھ کر اور ٹاٹ اوڑھ کر اور مٹی اپنے سر پر ڈال کر اکٹھے ہوئے۔ اور اسرائیل کی نسل کے لوگ سب پر دیسیوں سے الگ ہو گئے اور کھڑے ہو کر اپنے گناہوں اور اپنے باپ دادا کی خطاؤں کا اقرار کیا۔“ (۲-۱:۹)

زبور میں ہے:

”لیکن میں نے تو ان کی بیماری میں، جب وہ بیمار تھے، ٹاٹ اوڑھا اور روزہ رکھ کر اپنی جان کو دکھ دیا اور میری دعا میرے ہی سینے میں واپس آئی۔“ (۱۳:۳۵)

یرمیاہ میں ہے:

”پرتو جا اور خداوند کا وہ کلام جو تو نے میرے منہ سے اس طومار میں لکھا ہے، خداوند کے گھر میں روزہ کے دن لوگوں کو پڑھ کر سنا۔“ (۶:۳۶)

یوایل میں ہے:

”خداوند کا روز عظیم نہایت خوف ناک ہے۔ کون اس کی برداشت کر سکتا ہے؟ لیکن خداوند فرماتا ہے: اب بھی پورے دل سے اور روزہ رکھ کر اور گریہ و زاری و ماتم کرتے ہوئے میری طرف رجوع لاؤ۔ اور اپنے کپڑوں کو نہیں، بلکہ دلوں کو چاک کر کے خداوند اپنے خدا کی طرف متوجہ ہو، کیونکہ وہ رحیم و مہربان، قہر کرنے میں دھیمہ اور شفقت میں غنی ہے اور عذاب نازل کرنے سے باز رہتا ہے۔“ (۱۳-۱۱:۲)

زکریا میں ہے:

”پھر رب الافواج کا کلام مجھ پر نازل ہوا کہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ چوتھے اور پانچویں اور ساتویں اور دسویں مہینے کا روزہ بنی یہوداہ کے لیے خوشی اور خرمی کا دن اور شادمانی کی عید ہوگا۔“ (۱۸:۸-۱۹)

متی میں ہے:

”اور جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ، کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ ان کو روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے، بلکہ جب تو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھو تاکہ آدمی نہیں، بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے، تجھے روزہ دار جانے۔ اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے، تجھے بدلہ دے گا۔“ (۱۶:۶-۱۸)

اعمال میں ہے:

”جب وہ خداوند کی عبادت کر رہے اور روزے رکھ رہے تھے تو روح القدس نے کہا: میرے لیے برنباس اور ساؤل کو اس کام کے واسطے مخصوص کر دو، جس کے واسطے میں نے ان کو بلایا ہے۔ تب انھوں نے روزہ رکھ کر اور دعا کر کے اور ان پر ہاتھ رکھ کر انھیں رخصت کیا۔“ (۱۳:۲-۳)

یہ روزے کی تاریخ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ نماز کی طرح روزہ بھی قرآن کے مخاطبین کے لیے کوئی اجنبی چیز نہ تھی۔ وہ اس کی مذہبی حیثیت اور اس کے حدود و شرائط سے پوری طرح واقف تھے۔ چنانچہ قرآن نے جب اس کا حکم دیا تو ان حدود و شرائط میں سے کوئی چیز بھی بیان نہیں کی، بلکہ ہدایت فرمائی کہ خدا کے ایک قدیم حکم اور انبیاء علیہم السلام کی ایک قدیم سنت کے طور پر وہ جس طرح اسے جانتے ہیں، اسی طرح ایک لازمی عبادت کے طور پر اس کا اہتمام کریں۔ اس لحاظ سے روزے کا ماخذ بھی اصلاً مسلمانوں کا اجماع اور ان کا عملی تواثر ہی ہے۔ قرآن نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ اسے فرض قرار دیا، مریضوں اور مسافروں کے لیے اس سے رخصت کا قانون بیان فرمایا اور بعد میں جب بعض سوالات اس سے متعلق پیدا ہوئے تو ان کی وضاحت کر دی ہے۔

روزے کا مقصد

روزے کا مقصد قرآن مجید نے سورہ بقرہ کی ان آیتوں میں یہ بیان کیا ہے کہ لوگ خدا سے ڈرنے والے بن جائیں۔ اس کے لیے اصل میں ’لعلکم تتقون‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔ قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے شب و روز کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر رکھ کر زندگی بسر کرے اور اپنے دل کی

گہرائیوں میں اس بات سے ڈرتا رہے کہ اس نے اگر کبھی ان حدود کو توڑا تو اس کی پاداش سے اللہ کے سوا کوئی اس کو بچانے والا نہیں ہو سکتا۔

روزے سے یہ تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے تین باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں:

پہلی یہ کہ روزہ اس احساس کو آدمی کے ذہن میں پوری قوت کے ساتھ بیدار کر دیتا ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے۔ نفس کے چند بنیادی مطالبات پر حرمت کا قفل لگتے ہی یہ احساس بندگی پیدا ہونا شروع ہوتا اور پھر بتدریج بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ روزہ کھولنے کے وقت تک یہ اس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیتا ہے۔ فجر سے مغرب تک کھانے کا ایک نوالہ اور پانی کا ایک قطرہ بھی روزے دار کے حلق سے نہیں گزرتا اور وہ ان چیزوں کے لیے نفس کے ہر مطالبے کو محض اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں پورا کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ روزے کا یہ عمل جب بار بار دہرایا جاتا ہے تو یہ حقیقت روزے دار کے نہاں خانہ وجود میں اتر جاتی، بلکہ اس کی جبلت میں پیوست ہو جاتی ہے کہ وہ ایک پروردگار کا بندہ ہے اور اس کے لیے زیبا یہی ہے کہ زندگی کے باقی معاملات میں بھی تسلیم و اعتراف کے ساتھ وہ اپنے مالک کی فرماں روائی کے سامنے سپر ڈال دے اور خیال و عمل، دونوں میں اپنی آزادی اور خود مختاری کے ادعا سے دستبردار ہو جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا پر آدمی کا ایمان ہر لحاظ سے زندہ ایمان بن جاتا ہے، جس کے بعد وہ محض ایک خدا کو نہیں، بلکہ ایک ایسی سمیع و بصیر، علیم و حکیم اور قائم بالقسط ہستی کو مانتا ہے جو اس کے تمام کھلے اور چھپے سے واقف ہے اور جس کی اطاعت سے وہ کسی حال میں انحراف نہیں کر سکتا۔ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے سب سے مقدم چیز یہی ہے۔

دوسری یہ کہ روزہ اس احساس کو بھی دل کے اعماق اور روح کی گہرائیوں میں اتار دیتا ہے کہ آدمی کو ایک دن اپنے پروردگار کے حضور میں جواب دہی کے لیے پیش ہونا ہے۔ ماننے کو تو یہ بات ہر مسلمان مانتا ہے، لیکن روزے میں جب پیاس تنگ کرتی، بھوک ستاتی اور جنسی جذبات پوری قوت کے ساتھ اپنی تسکین کا تقاضا کرتے ہیں تو ہر شخص جانتا ہے کہ تنہا یہی احساس جواب دہی ہے جو آدمی کو بطن و فرج کے ان مطالبات کو پورا کرنے سے روک دیتا ہے۔ رمضان کا پورا مہینہ ہر روز گھنٹوں وہ نفس کے ان بنیادی تقاضوں پر محض اس لیے پہرا لگائے رکھتا ہے کہ اسے ایک دن اپنے مالک کو منہ دکھانا ہے۔ یہاں تک کہ سخت گرمی کی حالت میں حلق پیاس سے چٹختا ہے، برفاب سامنے ہوتا ہے، وہ چاہے تو آسانی سے پی سکتا ہے، مگر نہیں پیتا؛ بھوک کے مارے جان نکل رہی ہوتی ہے، کھانا موجود ہوتا ہے، مگر نہیں کھاتا؛ میاں بیوی جوان ہیں، تنہائی میسر ہے، چاہیں تو اپنی خواہش پوری کر سکتے ہیں، مگر نہیں کرتے۔ یہ ریاضت کوئی معمولی ریاضت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں جواب دہی کا احساس اس سے دل و دماغ میں پوری طرح راسخ ہو جاتا ہے۔ تقویٰ پیدا کرنے کے لیے، اگر غور کیجیے تو دوسری موثر ترین چیز یہی ہے۔

تیسری یہ کہ تقویٰ کے لیے صبر ضروری ہے، اور روزہ انسان کو صبر کی تربیت دیتا ہے۔ بلکہ صبر کی تربیت کے لیے اس سے زیادہ آسان اور اس زیادہ موثر کوئی دوسرا طریقہ شاید نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ہم جس امتحان سے دوچار ہیں، اس کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ ایک طرف ہمارے حیوانی وجود کی منہ زور خواہشیں ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا یہ مطالبہ ہے کہ ہم اس کے حدود میں رہ کر زندگی بسر کریں؟ یہ چیز قدم قدم پر صبر کا تقاضا کرتی ہے۔ سچائی، دیانت، تحمل، بردباری، عہد کی پابندی، عدل و انصاف، عفو و درگزر، منکرات سے گریز، فواحش سے اجتناب اور حق پر استقامت کے اوصاف نہ ہوں تو تقویٰ کے کوئی معنی نہیں ہیں، اور صبر کے بغیر یہ اوصاف، ظاہر ہے کہ آدمی میں کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتے۔

روزے کا مقصد یہی تقویٰ ہے اور اس کے لیے اللہ نے رمضان کا مہینا مقرر فرمایا ہے۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی ہے کہ اس مہینے میں قرآن نازل ہونا شروع ہوا ہے۔ روزے کے مقصد سے اس کا کیا تعلق ہے؟ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے:

”غور کرنے والے کو اس حقیقت کے سمجھنے میں کوئی الجھن نہیں پیش آ سکتی کہ خدا کی تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت عقل ہے اور عقل سے بھی بڑی نعمت قرآن ہے، اس لیے کہ عقل کو بھی حقیقی رہنمائی قرآن ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ نہ ہو تو عقل سائنس کی ساری دوربینیں اور خوردبینیں لگا کر بھی اندھیرے میں بھٹکتی رہتی ہے۔ اس وجہ سے جس مہینے میں دنیا کو یہ نعمت ملی، وہ سزاوار تھا کہ وہ خدا کی تکبیر اور اس کی شکرگزاری کا خاص مہینا ٹھہرا دیا جائے تاکہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر و عظمت کا اعتراف ہمیشہ ہمیشہ ہوتا رہے۔ اس شکرگزاری اور تکبیر کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزوں کی عبادت مقرر فرمائی جو اس تقویٰ کی تربیت کی خاص عبادت ہے جس پر تمام دین و شریعت کے قیام و بقا کا انحصار ہے، اور جس کے حاملین ہی کے لیے درحقیقت قرآن ہدایت بن کر نازل ہوا ہے۔ گویا اس حکمت قرآنی کی ترتیب یوں ہوئی کہ قرآن حکیم کا حقیقی فیض صرف ان لوگوں کے لیے خاص ہے جن کے اندر تقویٰ کی روح ہو اور اس تقویٰ کی تربیت کا خاص ذریعہ روزے کی عبادت ہے۔ اس وجہ سے رب کریم و حکیم نے اس مہینے کو روزوں کے لیے خاص فرما دیا جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ دوسرے لفظوں میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اس دنیا کے لیے بہار ہے اور رمضان کا مہینا موسم بہار اور یہ موسم بہار جس فصل کو نشوونما بخشتا ہے، وہ تقویٰ کی فصل ہے۔“ (تذکر قرآن ۱/۴۵۱)

یہ مقصد روزے سے لازماً حاصل ہوتا ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ روزہ رکھنے والے ان خرابیوں سے بچیں جو اگر روزے کو لاحق ہو جائیں تو اس کی تمام برکتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ خرابیاں اگرچہ بہت سی ہیں، مگر ان میں سے بعض ایسی ہیں کہ ہر روزے دار کو ان کے بارے میں ہوشیار رہنا چاہیے۔

ان میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ لوگ رمضان کو لذتوں اور چٹخاروں کا مہینا بنا لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس مہینے میں جو خرچ بھی کیا جائے، اس کا اللہ کے ہاں کوئی حساب نہیں ہے۔ چنانچہ اس طرح کے لوگ اگر کچھ کھاتے پیتے بھی ہوں تو ان

کے لیے یہ پھر مزے اڑانے اور بہار لوٹنے کا مہینا ہے۔ وہ اس کو نفس کی تربیت کے بجائے اس کی پرورش کا مہینا بنا لیتے ہیں اور ہر روز افطار کی تیاریوں ہی میں صبح کو شام کرتے ہیں۔ وہ جتنا وقت روزے سے ہوتے ہیں، یہی سوچتے ہیں کہ سارے دن کی بھوک پیاس سے جو خلا ان کے پیٹ میں پیدا ہوا ہے، اسے وہ اب کن کن نعمتوں سے بھریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو روزے سے وہ کچھ پاتے ہی نہیں، اور اگر کچھ پاتے ہیں تو اسے وہیں کھودیتے ہیں۔

اس خرابی سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے اندر کام کی قوت کو باقی رکھنے کے لیے کھائے پیے تو ضرور، لیکن اس کو جینے کا مقصد نہ بنالے۔ جو کچھ بغیر کسی اہتمام کے مل جائے، اس کو اللہ کا شکر کرتے ہوئے کھالے۔ گھر والے جو کچھ دسترخوان پر رکھ دیں، وہ اگر دل کو نہ بھی بھائے تو اس پر خفا نہ ہو۔ اللہ نے اگر مال و دولت سے نوازا ہے تو اپنے نفس کو پالنے کے بجائے اسے غریبوں اور فقیروں کی مدد اور ان کے کھانے پلانے پر خرچ کرے۔ یہ چیز یقیناً اس کے روزے کی برکتوں کو بڑھائے گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ انفاق کے معاملے میں یہی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ حضور عام حالات میں بھی سب سے زیادہ فیاض تھے، لیکن رمضان میں تو گویا سراپا جو دو کرم بن جاتے تھے۔^{۳۵۱}

دوسری خرابی یہ ہے کہ بھوک اور پیاس کی حالت میں چونکہ طبیعت میں کچھ میڑی پیدا ہو جاتی ہے، اس وجہ سے بعض لوگ روزے کو اس کی اصلاح کا ذریعہ بنانے کے بجائے، اسے بھڑکانے کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ وہ اپنے بیوی بچوں اور اپنے نیچے کام کرنے والوں پر ذرا ذرا سی بات پر برس پڑتے، جو منہ میں آیا، کہہ گزرتے، بلکہ بات بڑھ جائے تو گالیوں کا جھاڑ باندھ دیتے ہیں، اور بعض حالتوں میں اپنے زبردستوں کو مارنے پٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر لیتے ہیں کہ روزے میں ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

اس کا علاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ آدمی اس طرح کے موقعوں پر روزے کو اشتعال کا بہانہ بنانے کے بجائے اس کے مقابلے میں ایک ڈھال کی طرح استعمال کرے، اور جہاں اشتعال کا کوئی موقع پیدا ہو، فوراً یاد کرے کہ میں روزے سے ہوں۔ آپ کا ارشاد ہے: روزے ڈھال ہیں، لہذا تم میں سے جس شخص کا روزہ ہو، وہ نہ بے حیائی کی باتیں کرے، اور نہ جہالت دکھائے۔ پھر اگر کوئی گالی دے یا لڑنا چاہے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں، میرے بھائی میں روزے سے ہوں۔^{۳۵۲} چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ روزہ رکھنے والا اگر غصے اور اشتعال کے ہر موقع پر یاد دہانی کا یہ طریقہ اختیار کرے گا تو آہستہ آہستہ دیکھے گا کہ اس نے اپنے نفس کے شیطان پر اتنا قابو پالیا ہے کہ وہ اب اسے گرا لینے میں کم ہی کامیاب ہوتا ہے۔ شیطان کے مقابلے میں فتح کا یہ احساس اس کے دل میں اطمینان اور برتری کا احساس پیدا کرے گا اور روزے کی یہی

۳۵۱ بخاری، رقم ۶-مسلم، رقم ۲۳۰۸۔

۳۵۲ بخاری، رقم ۱۷۹۳-مسلم، رقم ۱۱۵۱۔

یاد دہانی اس کی اصلاح کا ذریعہ بن جائے گی۔ پھر وہ وہیں غصہ کرے گا، جہاں اس کا موقع ہوگا۔ وقت بے وقت اسے مشتعل کر دینا کسی کے لیے ممکن نہ رہے گا۔

تیسری خرابی یہ ہے کہ بہت سے لوگ جب روزے میں کھانے پینے اور اس طرح کی دوسری دل چسپیوں کو چھوڑتے ہیں تو اپنی اس محرومی کا مداوا ان دل چسپیوں میں ڈھونڈنے لگتے ہیں جن سے ان کے خیال میں روزے کو کچھ نہیں ہوتا، بلکہ وہ بہل جاتا ہے۔ وہ روزہ رکھ کر تاش کھیلیں گے، ناول اور افسانے پڑھیں گے، نغمے اور غزلیں سنیں گے، فلمیں دیکھیں گے، دوستوں میں بیٹھ کر گپ ہانکیں گے اور اگر یہ سب نہ کریں گے تو کسی کی غیبت اور ہجو ہی میں لپٹ جائیں گے۔ روزے میں پیٹ خالی ہو تو آدمیوں کو اپنے بھائیوں کا گوشت کھانے میں ویسے بھی بڑی لذت ملتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بعض اوقات صبح اس مشغلے میں پڑتے ہیں اور پھر مؤذن کی اذان کے ساتھ ہی اس سے ہاتھ کھینچتے ہیں۔

اس خرابی کا ایک علاج تو یہ ہے کہ آدمی خاموشی کو روزے کا ادب سمجھے اور کوشش کرے کہ کم سے کم اناپ شناپ کہنے اور جھوٹی سچی اڑانے کے معاملے میں تو اس کی زبان پر تالا لگا رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو اس کی کچھ ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔^{۳۵۳}

اس کا دوسرا علاج یہ ہے کہ جو وقت ضروری کاموں سے بچے، اس میں آدمی قرآن وحدیث کا مطالعہ کرے اور دین کو سمجھے۔ وہ روزے کی اس فرصت کو غنیمت جان کر اس میں قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی دعاؤں کا کچھ حصہ یاد کر لے۔ اس طرح وہ روزے میں ان مشغلوں سے بچے گا اور بعد میں یہی ذخیرہ اللہ کی یاد کو اس کے دل میں قائم رکھنے کے لیے اس کے کام آئے گا۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ آدمی بعض اوقات روزہ اللہ کے لیے نہیں، بلکہ اپنے گھر والوں اور ملنے جلنے والوں کی ملامت سے بچنے کے لیے رکھتا ہے اور کبھی لوگوں میں اپنی دین داری کا بھرم قائم رکھنے کے لیے یہ مشقت جھیلتا ہے۔ یہ چیز بھی روزے کو روزہ نہیں رہنے دیتی۔

اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی روزے کی اہمیت ہمیشہ اپنے نفس کے سامنے واضح کرتا رہے اور اسے تلقین کرے کہ جب کھانا پینا اور دوسری لذتیں چھوڑ ہی رہے ہو تو پھر اللہ کے لیے کیوں نہیں چھوڑتے۔ اس کے ساتھ رمضان کے علاوہ کبھی کبھی نفلی روزے بھی رکھے اور انھیں زیادہ سے زیادہ چھپانے کی کوشش کرے۔ اس سے امید ہے کہ اس کے یہ فرض روزے بھی کسی وقت اللہ ہی کے لیے خالص ہو جائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نفل روزے خود رکھے ہیں یا لوگوں کو اسی مقصد سے ان کے رکھنے کی ترغیب دی ہے، وہ یہ

ہیں:

یوم عاشور کا روزہ

روایتوں میں اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ آپ بالعموم اس کا اہتمام کرتے تھے، بلکہ رمضان کے روزوں سے پہلے تو یہ روزہ آپ لازماً رکھتے اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتے، اس پر ابھارتے اور اس معاملے میں ان پر نگران رہتے تھے، اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قریش یہ روزہ رکھتے تھے اور ایک یہ بیان کی گئی ہے کہ یہود اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ حضور نے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ دن ان کے لیے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ موسیٰ اور ان کی قوم کو اللہ تعالیٰ نے اس دن نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم کو دریا میں غرق کر دیا، تب موسیٰ علیہ السلام نے اس پر شکرانے کا روزہ رکھا تھا۔ حضور نے فرمایا: موسیٰ سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے۔ چنانچہ آپ نے بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی۔

یوم عرفہ کا روزہ

اس دن کی فضیلت ہر مسلمان کو معلوم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس میں روزہ رکھا جائے تو اس کے صلے میں توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ بخش دیں گے۔ تاہم حج کے موقع پر آپ نے یہ روزہ نہیں رکھا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ حج کی مشقت کے ساتھ آپ نے اسے جمع کرنا پسند نہیں فرمایا۔

سوال کے روزے

ان روزوں کی فضیلت بھی روایتوں میں بیان ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے، پھر ان کے متصل بعد سوال کے چھ روزے رکھ لیے، وہ گویا عمر بھر روزے سے رہا۔

لھر مہینے میں تین روزے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ترغیب دی اور ان کے بارے میں وہی بات فرمائی ہے جو اوپر سوال کے روزوں

۳۵۴ بخاری، رقم ۱۹۰۲۔ مسلم، رقم ۱۱۶۲۔

۳۵۵ بخاری، رقم ۱۸۹۹۔ مسلم، رقم ۱۱۲۹۔

۳۵۶ بخاری، رقم ۴۲۳۴۔ مسلم، رقم ۱۱۲۸۔

۳۵۷ بخاری، رقم ۱۸۹۴۔ مسلم، رقم ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔

۳۵۸ بخاری، رقم ۱۹۰۰۔ مسلم، رقم ۱۱۳۰۔

۳۵۹ مسلم، رقم ۱۱۶۲۔

۳۶۰ بخاری، رقم ۱۵۷۸۔ مسلم، رقم ۱۱۲۳۔

۳۶۱ مسلم، رقم ۱۱۶۴۔

کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔ سیدہ عائشہ کی روایت ہے کہ حضور خود بھی یہ روزے رکھتے تھے۔ تاہم ان کے لیے کوئی دن متعین نہیں تھے۔ آپ جب چاہتے، پورے مہینے میں کسی وقت یہ روزے رکھ لیتے تھے۔ بعض صحابہ کو، البتہ آپ نے ہدایت فرمائی ہے کہ وہ چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخ کو یہ روزے رکھیں۔

بیسر اور جمعرات کا روزہ

حضور نے یہ روزے بھی رکھے ہیں۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: پیر اور جمعرات کے دن لوگوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ نیز فرمایا کہ پیر کا دن میری پیدائش کا دن ہے اور مجھ پر قرآن کا نزول بھی اسی دن ہوا تھا۔

شعبان کے روزے

رمضان کے علاوہ یہی مہینا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ تر روزے سے رہتے تھے۔ سیدہ عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے شعبان سے زیادہ آپ کو کسی مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ان کے علاوہ بھی لوگ جب چاہیں، نفل روزے رکھ سکتے ہیں۔ زیادہ روزوں کی خواہش رکھنے والوں کو آپ نے ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اس معاملے میں سیدنا داؤد علیہ السلام کی پیروی کریں جو ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن چھوڑ دیتے تھے۔ تنہا جمعہ کو روزے کے لیے خاص کر لینے، پورا حال روزے رکھنے اور عید کے دنوں میں روزہ رکھنے کو، البتہ آپ نے پسند نہیں فرمایا۔

- ۳۶۲ بخاری، رقم ۱۸۷۵، ۱۸۸۰۔ مسلم، رقم ۱۱۶۲۔
- ۳۶۳ مسلم، رقم ۱۱۶۰۔
- ۳۶۴ ابوداؤد، رقم ۲۴۴۹۔
- ۳۶۵ ابوداؤد، رقم ۲۴۳۶۔
- ۳۶۶ مسلم، رقم ۱۱۶۲۔
- ۳۶۷ بخاری، رقم ۱۸۶۸، ۱۸۶۹۔ مسلم، رقم ۱۱۵۶۔
- ۳۶۸ بخاری، رقم ۱۸۷۵۔ مسلم، رقم ۱۱۵۹۔
- ۳۶۹ بخاری، رقم ۱۸۸۳، ۱۸۸۴۔ مسلم، رقم ۱۱۴۳، ۱۱۴۴۔
- ۳۷۰ بخاری، رقم ۱۸۷۴۔ مسلم، رقم ۱۱۶۲۔
- ۳۷۱ بخاری، رقم ۱۸۸۹، ۱۸۹۰۔ مسلم، رقم ۱۱۳۷، ۱۱۳۸۔

۳۷۲ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی چیز تھوڑے ہی عرصے میں بدعت بن جاتی، دوسری زندگی کا توازن درہم برہم کر دیتی اور تیسری بالکل بے محل ہوتی جس کے لیے اس دین قیم میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

روزے کا قانون

انبیاء علیہم السلام کے دین میں روزے کا جو قانون ہمیشہ سے رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسی کے مطابق روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ ایمان والوں پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا ہے، جس طرح ان سے پہلوں پر فرض کیا گیا تھا ہے۔ فرمایا ہے کہ یہ گنتی کے چند دن ہیں جو اس عبادت کے لیے خاص کیے گئے ہیں۔ یہ بات ظاہر ہے کہ تالیف قلب کے طور پر کہی گئی ہے۔ گویا مدعا یہ ہے کہ روزے کی برکتیں اگر پیش نظر ہوں تو بارہ مہینوں میں ۳۰ یا ۲۹ دن کوئی بڑی مدت نہیں ہے، بلکہ گنتی کے چند دن ہی ہیں، لہذا گھبرانے یا دل شکستہ ہونے کے بجائے آدمی کو ان سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس تمہید کے بعد رخصت کا حکم بیان ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ بیماری یا سفر کی وجہ سے رمضان کے روزے پورے نہ کر سکیں، وہ دوسرے دنوں میں یا تو روزے رکھ کر یہ تعداد پوری کر لیں، یا ایک روزے کی جگہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر چھوڑے ہوئے روزوں کی تلافی کریں۔ اس حکم کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوا ہے: 'فمن تطوع خيراً فهو خير له، وان تصوموا خیر لکم، ان کنتم تعلمون' (پھر جو شوق سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھ لو تو یہ تمہارے لیے اور بھی اچھا ہے، اگر تم سمجھتے ہو)۔ مطلب یہ ہے کہ روزے کا یہ فدیہ کم سے کم مطالبہ ہے جو استطاعت رکھنے والوں کو ہر حال میں پورا کرنا چاہیے، لیکن اگر کوئی شخص ایک سے زیادہ مسکینوں کو کھانا کھلا دے یا ان کے ساتھ کوئی اور نیکی کر دے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ پھر اللہ کے نزدیک اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ آدمی فدیے کے بجائے دوسرے دنوں میں روزے ہی پورے کرے۔

تاہم اس کے بعد جو آیت 'شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے، اس میں فدیے کی اجازت ختم ہو گئی ہے۔ چنانچہ حکم کو بعینہ دہرا کر اس میں سے 'وعلى الذين يطيقونه' سے 'ان کنتم تعلمون' تک کے الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں۔ رمضان کے بعد عام دنوں میں روزہ رکھنا چونکہ مشکل ہوتا ہے، اس لیے جب تک طبائع اس کے لیے پوری طرح تیار نہیں ہو گئیں، اللہ تعالیٰ نے اسے لازم نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ فدیے کی یہ اجازت اس لیے ختم کر دی گئی ہے کہ تم روزوں کی تعداد پوری کرو اور جو خیر و برکت اس میں چھپی ہوئی ہے، اس سے محروم نہ رہو۔

روزے کا حکم اصلاً یہی ہے۔ اس کے بعد، معلوم ہوتا ہے کہ بعض سوالات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک اہم سوال یہ تھا کہ رمضان کی راتوں میں بیویوں کے پاس جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی وجہ غالباً یہ ہوئی کہ یہود کے ہاں روزہ افطار کے معاً بعد پھر شروع ہو جاتا تھا اور وہ روزے کی رات میں کھانے پینے اور بیویوں کے پاس جانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ مسلمانوں نے اس سے گمان کیا کہ ان کے لیے بھی یہی قانون ہوگا، لیکن پھر ان میں سے بعض لوگ یہ گمان اپنے

دلوں میں رکھتے ہوئے اس کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ یہ کوئی اچھی بات نہ تھی، اس لیے کہ آدمی اگر اپنے اجتہاد یا گمان کے مطابق کسی چیز کو دین و شریعت کا تقاضا سمجھتا ہے تو اس سے قطع نظر کہ وہ فی الواقع شریعت کا حکم ہے یا نہیں، اس کی خلاف ورزی اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن نے اسے ضمیر کے ساتھ خیانت سے تعبیر کیا اور وضاحت فرمائی:

أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ، هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ، عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ، فَتَابَ عَلَيْكُمْ، وَعَفَا عَنْكُمْ، فَالْأَن بَاشِرُوهُنَّ، وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ، وَكُلُوا وَاشْرَبُوا، حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، ثُمَّ أَتُمُوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ، وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ. تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا، كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لِيُتْلَىٰ لَكُمْ لِبَاسٍ، لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ. (البقرہ ۲: ۱۸۷)

”روزوں کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جانا تمہارے لیے جائز کیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے تو اس نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے درگزر کیا۔ چنانچہ اب (بغیر کسی تردد کے) اپنی بیویوں کے پاس جاؤ اور (اس کا) جو (نتیجہ) اللہ نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے، اسے چاہو، اور کھاؤ پیو، یہاں تک کہ رات کی سیاہ دھاری سے فجر کی سفید دھاری تمہارے لیے بالکل نمایاں ہو جائے۔ پھر رات تک اپنا روزہ پورا کرو اور (ہاں) تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو (پھر رات کو بھی) ان کے پاس نہ جانا۔ یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں، سوان کے قریب نہ جاؤ۔ اللہ اسی طرح اپنی آیتیں لوگوں کے لیے واضح کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔“

قرآن کی اس وضاحت کے بعد روزے اور اعتکاف کا جو قانون متعین ہو کر سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے:

روزے کی نیت سے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کھانے پینے اور بیویوں کے پاس جانے سے اجتناب ہی شریعت کی اصطلاح میں روزہ ہے،

یہ پابندی فجر سے لے کر رات کے شروع ہونے تک ہے، لہذا روزے کی راتوں میں کھانا پینا اور بیویوں کے پاس جانا بالکل جائز ہے،

روزوں کے لیے رمضان کا مہینہ خاص کیا گیا ہے، اس لیے جو شخص اس مہینے میں موجود ہو، اس پر فرض ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے،

بیماری یا سفر کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری کے باعث آدمی اگر رمضان کے روزے پورے نہ کر سکے تو لازم ہے کہ دوسرے

دنوں میں روزے رکھ کر اس کی تلافی کرے اور یہ تعداد پوری کر دے،

روزے کا منتہا کمال اعتکاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی شخص کو اس کی توفیق دے تو اسے چاہیے کہ روزوں کے مہینے میں جتنے دنوں کے لیے ممکن ہو، دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کے لیے مسجد میں گوشہ نشین ہو جائے اور بغیر کسی ناگزیر انسانی ضرورت کے مسجد سے باہر نہ نکلے،

آدمی اعتکاف کے لیے بیٹھا ہو تو روزے کی راتوں میں کھانے پینے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن بیویوں کے پاس جانا اس کے لیے جائز نہیں رہتا۔ اعتکاف کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔

روزے کا یہ قانون مسلمانوں کے اجماع اور تو اتر عملی سے ثابت ہے اور قرآن مجید نے بھی بڑی حد تک اس کی تفصیل کر دی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل سے اس کی جو توضیحات ہوئی ہیں، وہ ایک مناسب تربیت کے ساتھ ہم ذیل میں بیان کیے دیتے ہیں:

۱۔ رمضان کی ابتدا بھی چاند دیکھنے سے ہونی چاہیے اور اس کا خاتمہ بھی اسی پر ہونا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اسے دیکھ کر افطار کرو۔ پھر اگر مطلع صاف نہ ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کر لو۔^{۳۷۳}

۲۔ رمضان کے شروع ہونے سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہیں رکھنا چاہیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہیں کیا اور فرمایا ہے کہ وہ شخص، البتہ اس سے مستثنیٰ ہے جو روزے ہی رکھتا ہو۔^{۳۷۴}

۳۔ سحری کے لیے اٹھنا چاہیے۔ فرمایا ہے کہ سحری کھایا کرو، اس لیے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔^{۳۷۵}

۴۔ اذان ہو جائے اور برتن ہاتھ میں ہو تو آدمی جو کچھ کھا رہا ہو، کھالے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔^{۳۷۶}

۵۔ روزے میں مجامعت کے سوا بیوی سے ہر طرح اظہار محبت کر سکتے ہیں۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے کی حالت میں بوسہ لیتے اور مجھے اپنے ساتھ بھی لگاتے تھے۔^{۳۷۷}

۶۔ جنابت کی حالت میں روزہ رکھ سکتے ہیں۔ سیدہ ہی کی روایت ہے کہ حضور بھی بعض اوقات روزہ رکھ لیتے اور فجر کے بعد ہی غسل جنابت کرتے تھے۔^{۳۷۸}

۳۷۳ بخاری، رقم ۱۸۱۰۔ مسلم، رقم ۱۰۸۱۔

۳۷۴ مسلم، رقم ۱۰۸۲۔

۳۷۵ بخاری، رقم ۱۸۲۳۔ مسلم، رقم ۱۰۹۶۔

۳۷۶ ابوداؤد، رقم ۲۳۵۰۔

۳۷۷ بخاری، رقم ۱۸۲۶۔ مسلم، رقم ۱۱۰۶۔

۳۷۸ بخاری، رقم ۱۸۲۹۔ مسلم، رقم ۱۱۰۹۔

۷۔ آدمی بھول کر کچھ کھالے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ فرمایا ہے کہ یہ تو اسے اللہ نے کھلایا اور پلایا ہے۔^{۳۷۹}

۸۔ اعتکاف کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ ہے کہ رمضان کے آخری عشرے میں روزہ رکھ کر اور کسی جامع مسجد میں بیٹھنا چاہیے۔ سیدہ کی روایت ہے کہ اعتکاف کرنے والا نہ بیمار کی عیادت کرے، نہ جنازے کے لیے جائے، نہ بیوی کے قریب ہو اور نہ کسی ناگزیر انسانی ضرورت کے سوا مسجد سے نکلے۔^{۳۸۰}

۹۔ جان بوجھ کر روزہ توڑ لینا ایک بڑا گناہ ہے۔ اس طرح کی کوئی چیز آدمی سے سرزد ہو جائے تو بہتر ہے کہ وہ اس کا کفارہ ادا کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک شخص کو وہی کفارہ بتایا جو قرآن مجید نے ظہار کے لیے مقرر کیا ہے۔ تاہم روایت سے واضح ہے کہ جب اس نے معذوری ظاہر کی تو آپ نے اس پر اصرار نہیں فرمایا۔^{۳۸۱}

۱۰۔ روزہ کھولنے کی جو دعا آپ سے منقول ہے، وہ یہ ہے:

ذهب الظماء، وابتلت العروق، وثبت الاجر، إن شاء الله تعالى۔^{۳۸۲}

”پیاس جاتی رہی، رگیں تر ہو گئیں اور اللہ نے چاہا تو اس کا اجر بھی اس کے ہاں ثابت ہو گیا۔“

[باقی]

۳۷۹ بخاری، رقم ۱۸۳۱۔ مسلم، رقم ۱۱۵۵۔

۳۸۰ بخاری، رقم ۱۹۲۱۔ مسلم، رقم ۱۱۷۱۔ ابوداؤد، رقم ۲۴۷۳۔

۳۸۱ بخاری، رقم ۱۸۳۲۔ مسلم، رقم ۱۱۱۱۔

۳۸۲ ابوداؤد، رقم ۲۳۵۷۔